شروع ہونا تھی۔ پھر پہلے دس برس ملک کی پالیسیاں سیاستدانوں کے بجائے نوکرشاہی کے ہاتھوں سے بنائی گئیں اور یہاں شدید سیاسی بحران پیدا ہوگیا۔ بجٹ کا صرف ۴ فیصد حصہ تعلیم، صحت اور سماجی شعبے کو دیا گیا اور یہ حصہ بھی شہروں میں خرچ ہوتا تھا۔[۲] ایسی صورتحال میں جب کہ تعلیم پر بہت کم توجہ دی جارہی تھی نہ تو یہاں کسی قسم کی تعلیمی سہولتوں کے لیے پیسہ مختص کیا جارہا تھا اور نہ ہی کوئی خاص منصوبہ بندی کر کے مستقبل کے لیے کوئی راستہ متعین کیا جارہا تھا۔[۳] اس تمام صورت حال کی وجہ وہ تعلیمی پس ماندگی تھی جو ہمیں قیام پاکستان کے وقت ورثہ میں ملی تھی۔

تعلیمی پسماندگی: پس منظر

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کو بالخصوص انگریزوں کے عتاب کا شکار ہونا پڑا۔ ان کی املاک ضبط ہوگئیں اور القاب چھین لیے گئے۔ انہیں ملازمتوں سے علیحدہ رکھا گیا۔ معاشی ترقی کی تمام راہیں ان پر بند کر دی گئیں۔ ان کے مقابلے میں ہندوؤں نے بہت جلد حالات سے سمجھوتہ کرلیا اور وہ تعلیم، تجارت اور ملازمتوں میں ترقی کرنے لگے۔ اس نازک موقع پر سرسید احمد خان نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کی مدد کی۔ انہوں نے حکومت وقت کے ساتھ مصالحت کا رویہ اختیار کر کے مسلمانوں کی سیاسی و معاشی بحالی کی کوشش کی اور مغربی تعلیم اور خصوصاً سائنس کی اہمیت کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلائی جس کے بنا وہ نظم ونسق ملک میں اپنی جگہ لینے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے اہل نہ بن سکتے تھے۔ سرسید نے ایک طرف تو انگریزوں کے دل سے مسلمانوں کے خلاف بدگمانی دور کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ انگریزوں سے مغائرت چھوڑ کر ان کے طرز فکر و معاشرت کا مطالعہ کریں اور مسلمانوں کی قومی اور تعلیمی ترقی کے مسائل پر غور و غوض کریں۔ سرسید کے ساتھیوں نے مسلمانوں کے سیاسی احیاء کے لیے علی گڑھ تحریک کی بنیاد رکھی۔ شبلی نعمانی نے ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی جس کے نصاب میں مذہبی اور مغربی علوم کو سمونے کی کوشش کی۔ بنگال میں عبداللطیف کی مساعی سے مسلمانوں میں مغربی علوم کی ضرورت کا احساس ہوا۔ سید امیر علی کی نگارشات نے انگریزوں اور انگریزی زدہ لوگوں کی نگاہ میں اسلام اور اسلامی تاریخ و ثقافت کی توقیر بڑھائی۔ ۱۸۸۴ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور میں قائم ہوئی جو اپنے اغراض و مقاصد کے اعتبار سے علی گڑھ کی ہی ایک شاخ تھی۔ مغربی تعلیم کی ترویج کے ساتھ ساتھ برصغیر میں سیاسی بیداری پھیلنا شروع ہوئی اور انگریزی دان طبقہ انگریزی تعلیم سے فیض یاب ہوکر مغربی سیاسی نظریات سے آگاہ اور متاثر ہونے لگا۔ یہ نظام تعلیم براہ راست لارڈ میکالے کے ان تصورات پر مبنی تھا جن کی رو سے یہ طے پایا کہ سلطنت برطانیہ کا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ باشندگان ہند کو صرف یورپ کے علوم و ادبیات سے روشناس کرایا جائے اور تعلیم کے لیے جو رقم بھی حکومت خرچ کرے وہ صرف انگریزی تعلیم پر خرچ ہو۔ اس حکمت عملی کے ماتحت ہندوستان بھر میں تعلیمی مدرسوں کا ایک جال بچھا دیا گیا تھا جن کا

مقصد یہ تھا کہ یہاں تعلیم پائے ہوئے لوگ انگریز نہ ہوتے ہوئے بھی انگریزوں کی طرح سوچنے لگیں اور وہ انگریزی معاشرت کے نقیب و ترجمان ہونے کے علاوہ انگریزی حکومت کے لیے بھی باعث استحکام ثابت ہوں۔ اسی نظریے کے تحت ہندوستان میں ۱۸۵۷ء تک ایک وسیع نظام تعلیم وجود میں آ چکا تھا۔[۳]

قیام پاکستان کے وقت ہمیں برطانیہ کا رائج کردہ یہی نظام تعلیم ورثہ میں ملا جس کی تدریجی ترقی کم و بیش دو سو برس کے عرصے میں ہوئی تھی۔ انگریزوں نے ہندو پاک کی تعلیم کا ایک ابتدائی منصوبہ بنایا۔ ملک میں مغربی طرز کی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں اور صنعتی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے لیے انتظامات بھی کیے گئے اور علمی تحقیق کے لیے وسائل بھی بہم پہنچائے، جس سے مشرق و مغرب کا ایک رابطہ قائم ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان بھر میں اٹھارہ یونیورسٹیاں تھیں جن میں سے دو پاکستان کے حصے میں آئیں۔ اس کے علاوہ پرائمری، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لاتعداد مدرسے اور کالج چل رہے تھے۔ انگریزوں سے یہ توقع رکھنا بے سود تھا کہ وہ ملک کے نظام تعلیم کو یہاں کی ضروریات کے مطابق ڈھالیں گے۔ چنانچہ ملک کے آزادی حاصل کرنے کے بعد یہاں کی تعلیم کو یہاں کی تہذیب و ثقافت کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت تھی کیونکہ انگریزوں کا نافذ کردہ نظام تعلیم اب ایک نئی مملکت کی جدید ضروریات کو پورا کرنے کا اہل نہ تھا۔[۴]

یہ بات کسی بحث کی محتاج نہیں کہ تعلیم وہ معاشرتی اور تہذیبی مسئلہ ہے جس کو کسی قوم کے خصائص قومی، اس کے قوانین اور اس کے مذہب سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ان عناصر کے بغیر تعلیم کا اصل مقصد یعنی نئی نسلوں کی ذہنی تربیت، پورا نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کے بغیر اعلیٰ کردار و سیرت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہی اعلیٰ ذہن و فکر ظہور میں آ سکتا ہے کیونکہ ہر قوم اور ملک کی تعلیمی منصوبہ بندی کے مخصوص مقاصد ہوتے ہیں اور تعلیم کا تعلق محض روزگار حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے ہوتا ہے جس میں روزگار بھی شامل ہے۔ اس کا تعلق ایک اچھا شہری بننے سے بھی ہے اور ایک بامعنی اور باثروت کلچر سے بھی ہے۔ افلاطون نے تعلیم کا مقصد تکمیل شخصیت قرار دے کر جسم و روح کی تربیت پر زور دیا تھا۔ تعلیم کے ذریعے مذہب، ثقافت، معاشرت، سیاست غرض زندگی کا داخلی و خارجی ہر شعبہ متاثر ہوتا ہے۔ تعلیم انسان اور معاشرے کے اندر تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ یہ ایک دوررس ادارہ ہے جو کل زندگی پر حاوی ہے۔ لہٰذا تعلیم کا مقصد فرد اور معاشرے کو سنوارنا ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لیے ہر قوم اپنے مزاج اور بصیرت اور ضرورتوں کے مطابق مختلف رستوں کی نشاندہی کرتی ہے۔

چنانچہ قیام پاکستان کے فوراً بعد پاکستان کے مخصوص عقائد کے پیش نظر وزارتوں اور تعلیمی محکموں نے کچھ تبدیلیاں کرنا چاہیں اور ایک حد تک اصلاحات بھی ہوئیں مگر حکومتوں کے جلد جلد تبدیل ہونے سے انہیں تعلیمی حکمت عملی کی نگرانی کی فرصت نہ ملی۔ پھر جس نظریے کے تحت پاکستان وجود میں آیا تھا اس کا اثر عملی طور پر تعلیم میں منعکس نہ

ہوا۔ نہ تو اسلامی عقائد کے زیر اثر منصوبہ بندی کی گئی اور نہ ہی عوامی وقومی نقطۂ نظر ابھر سکا۔ جب کہ ملکی آئین کی رو سے یہ ضروری ٹھہرا کہ جمہوریت اسلامیہ پاکستان کا فرض ہے کہ وہ ایسے وسائل پیدا کرے جن کی رو سے پاکستان کے مسلمان فرداً فرداً اور اجتماعاً قرآن وسنت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور زندگی کا صحیح مفہوم قرآن وسنت کی روشنی میں سمجھ سکیں۔[۵] خود قائداعظم تعلیم کو ہر دوسری چیز پر فوقیت دیتے تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں کہا کہ تعلیم ان مسائل میں سرفہرست ہے جن سے حکومت پاکستان کو معرض وجود میں آتے ہی نمٹنا ہوگا۔ اس کے بعد ہی معیشی اور معاشرتی اصلاحات کی باری آئے گی۔[۶] محمد علی جناح نے پاکستان بننے سے بہت پہلے مسلمانوں کی تعلیمی زبوں حالی کو محسوس کر لیا تھا۔ ۱۹۱۲ء میں انہوں نے ابتدائی تعلیمی بل پر امپیریل لیجسلیٹیو کونسل میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک اعتراض یہ ہے کہ اس نے ملک میں ابتدائی تعلیم کے مروج کرنے کو اہمیت نہیں دی اور کسی بھی ملک میں جب تک ابتدائی تعلیم کو لازمی قرار نہ دیا جائے، وہ رواج نہیں پا سکتی۔[۷] ۱۹۲۵ء میں انہوں نے کہا کہ برطانوی حکومت پر یہ بہت بدنما داغ ہے کہ اس نے ڈیڑھ سو سال حکومت کرنے کے بعد بھی یہاں علم کی روشنی بہت کم پھیلائی۔ قیام پاکستان کے بعد بھی انہیں احساس تھا کہ پاکستانی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی اور نہ ہی خود کو حالات کے مطابق ڈھال سکتی ہے جب تک کہ تبدیلی لوگوں کے ذہنوں میں واقع نہ ہو۔ اور یہ تبدیلی ملک میں رائج کردہ نظام تعلیم سے ہی آ سکتی تھی۔

ہمارے ہاں کے نظام تعلیم میں نہ صرف بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت تھی بلکہ نئے ادارے کھولنے کی بھی اشد ضرورت تھی۔ ۴۸۔۱۹۴۷ء میں تمام ملک میں ۱۰،۰۰۰ پرائمری سکول تھے جن میں سے ۷۰۰ لڑکیوں کے تھے، ۴۰۸ ثانوی مدرسے جن میں سے ۶۴ لڑکیوں کے، ۴۶ ثانوی سکولوں میں سے ۱۸ لڑکیوں کے لیے، ۴۰ آرٹ کالجوں میں سے پانچ لڑکیوں کے تھے۔ ۴۹۔۱۹۴۸ء میں حکومت نے ۱۹ پیشہ وارانہ کالج کھولے جن میں سے دو لڑکیوں کے لیے تھے۔ اس کے علاوہ دو یونیورسٹیاں پنجاب اور ڈھاکہ یونیورسٹی تھیں۔[۵] ۱۹۵۰ء میں پشاور یونیورسٹی، ۱۹۵۱ء میں کراچی یونیورسٹی، ۱۹۵۳ء میں راجشاہی یونیورسٹی قائم ہوئی اور پہلے سے موجود یونیورسٹیوں میں نئے شعبوں کا اضافہ ہوا۔[۸]

فاطمہ جناح: تعلیمی خدمات

قیام پاکستان کے بعد اور خصوصاً قائداعظم کی وفات کے بعد محترمہ فاطمہ جناح سیاست سے علیحدہ ہو گئیں اور خود کو سماجی خدمات کے لیے وقف کر دیا۔ تعلیم کے بارے میں محترمہ فاطمہ جناح کے خیالات اور نظریات جاننے کے لیے ہمارے پاس جو بنیادی ماخذ ہے وہ ان کی وہ تقاریر ہیں جو انہوں نے مختلف درس گاہوں کا افتتاح کرتے ہوئے کیں۔ جب ہم ان کی ان تقاریر کے مجموعوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم پر یہ امر واضح ہوتا ہے کہ وہ تعلیم کو قوم کی ترقی کے

لیے بہت ضروری خیال کرتی تھیں۔ وہ بار بار اس نقطے پر زور دیتی دکھائی دیتی ہیں کہ قومی تعمیر و ترقی کے پروگرام میں تعلیم ایک کلیدی حیثیت کی حامل ہے۔ انہوں نے تمام افراد کی تعلیم پر، تعلیم بالغاں، بچوں اور عورتوں کی کی تعلیم، معذور افراد کی تعلیم اور ٹیکنیکل تعلیم جیسے موضوعات پر اظہار خیال کیا ہے۔ انہوں نے ہمیشہ طالب علموں کے مسائل کو اہمیت دی اور انہیں قوم کا سرمایہ قرار دیا۔ انہوں نے سندھ مسلم کالج کراچی کے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے ان کے کردار کی نشو ونما اور اخلاقی اقدار کی اہمیت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ جوانی کا دور وہ دور ہوتا ہے جو انسان کی شخصیت پر سب سے زیادہ تاثر چھوڑتا اور شخصیت کو بناتا سنوارتا ہے اور انسانی کردار کو نہ صرف انفرادی زندگی میں ایک خاص سانچے میں ڈھالتا ہے بلکہ یہ قومی جدوجہد اور قوم کے مستقبل کے سلسلے میں دور رس نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ خواتین نوجوانوں کے کردار کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں چنانچہ خواتین کو اس سلسلے میں اپنا پورا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اسی لیے تعلیم نسواں کی اہمیت بہت زیادہ ہے کہ عورت ابتدا سے ایک خاص عمر تک بچے کے کردار کی بنیادی تعمیر کرتی ہے۔[9]

جب قائداعظم بمبئی سے دہلی منتقل ہوئے تو فاطمہ جناح نے وہاں عورتوں کو بیدار کرنے کے سلسلے میں بہت کام کیا۔ انہوں نے تعلیم نسواں اور تعلیم بالغاں کے مراکز قائم کروائے۔[10] بیگم شائستہ اکرام اللہ لکھتی ہیں کہ نومبر ۱۹۴۱ء میں مس فاطمہ جناح نے کچھ طالبات کو ان کے پاس بھیجا تا کہ مسلم ویمن سٹوڈنٹس فیڈریشن بنائی جاسکے۔ چونکہ آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ایک برس پہلے بن چکی تھی۔ چنانچہ مس جناح کے مشورے سے دہلی میں ایک آل انڈیا مسلم گرلز کانفرنس منعقد کروائی گئی جس میں مطالبۂ پاکستان کی تائید بھی کی گئی۔[11] وہ لکھتی ہیں کہ مس جناح نے مسلم خواتین کو آگے لانے کے سلسلے میں بہت کام کیا اور پاکستان میں سب سے پہلے ویمن انڈسٹریل ہوم، کراچی، لاہور اور کوئٹہ میں انہوں نے ہی شروع کروائے۔[9] اگر چہ وہ تمام قوم کے لیے تعلیم کو ضروری سمجھتی تھیں مگر خصوصاً خواتین جو تعلیم کے میدان میں مردوں سے بھی پیچھے تھیں، انہوں نے ان کے لیے خصوصی کام کیا۔ انہوں نے کہا کہ جہالت، سماجی اور تعلیمی پستی ہماری ترقی کی راہ میں مزاحم ہوتے رہیں گے تاوقتیکہ جرأت اور باقاعدگی سے اور مؤثر طور پر ان سے نمٹا نہ جائے۔[12]

دہلی فیڈریشن کے اجلاس میں انہوں نے مسلم ویمن سٹوڈنٹس کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ ان کا اہم ترین فرض یہ ہے کہ اپنا زیادہ تر وقت اپنی تعلیم پر صرف کریں اور ان کے والدین نے ان کو حصول تعلیم کا جو موقع فراہم کیا ہے انہیں چاہیے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنے فرائض کی ادائیگی کے قابل بن جائیں۔ وہ عملی دنیا میں قدم رکھیں اور جس حیثیت سے بھی قوم کی خدمت کے لیے ان کو طلب کیا جائے اس کے مطابق اپنے فرائض سرانجام دیں۔ حصول تعلیم کا یہ زریں موقع جو ان کی نوعمری کے زمانے میں ان کے والدین نے مہیا کیا ہے ہرگز لوٹ کر نہیں آسکتا اور اگر وہ دوسرے کاموں میں اپنا وقت ضائع کریں گے اور اپنے اصل فرض یعنی حصول

تعلیم کے لیے خود کو وقف کرنے سے غفلت برتیں گے تو بعد میں ان کو کف افسوس ملنا پڑے گا۔[۱۳]

اسی طرح مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن دہلی کے اجلاس میں انہوں نے کہا کہ اس بات کی ضرورت تھی کہ ہندو مسلمان اپنی اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی اور تعلیمی حالت درست کریں۔ اس وقت اس بات کی بہت ضرورت تھی کہ مسلم محلوں میں بچوں اور خواتین کے لیے اسکول اور کلاسیں کھولی جائیں جہاں ان کو تعلیم کی دعوت دی جائے اور ان کو ایسے کام سکھائے جائیں جن سے وہ آئندہ زندگی میں اپنا پیٹ پال سکیں۔ وہ عورتیں جو کچھ دستکاری جانتی تھیں ان کی ہمت افزائی کی جائے۔ اگرچہ مسلمان لڑکیاں تعلیم حاصل کرنے کی خواہش مند تھیں مگر یہ مشکل تھا کیونکہ اس وقت تعلیم یافتہ فری ورکرز کی کمی تھی۔[۱۴]

۲۶ مارچ ۱۹۴۸ء کو چٹاگانگ میں خواتین کے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ عورتوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ فوری طور پر سماجی بہبود کے کاموں کی طرف توجہ دیں۔ واپسی پر اپنی نشری تقریر میں قوم کی خواتین سے مخاطب ہو کر انہوں نے کہا کہ پاکستان کو سماجی کارکنوں، استانیوں اور لیڈی ڈاکٹروں کی ضرورت تھی اور عورتوں کو فوجی تربیت بھی حاصل کرنا ضروری تھا۔[۱۵]

تعلیم عامہ

محترمہ نے کہا جو چیز حقیقی اہمیت رکھتی ہے وہ ہماری آزاد قومی ضروریات اور رجحانات کے مطابق مشرقی طرز پر تعلیم کی پالیسی ہے۔ انہوں نے کہا:

> قومی تعمیر و ترقی کے پروگرام میں تعلیم کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ مملکت کی ہر گونہ ترقی کا دارومدار تعلیم پر ہے کیونکہ اس سے ذہن کشادہ ہوتے ہیں اور مسائل کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ایسی صورت میں اس کی اشاعت میں سہولتوں کی طرف سے کوتاہی محض تعلیمی بے حسی پر دلالت کرتی ہے۔ وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ہماری خواندگی کی فیصد کو تیزی سے بلند کیا جائے۔ جس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ سارے پاکستان میں ایک طرف لازمی ابتدائی تعلیم کا بندوبست کیا جائے اور دوسری طرف تعلیم بالغاں کی وسیع مہم چلائی جائے تاکہ ملک میں تعلیمی قحط کی موجودہ صورت حال تبدیل ہو اور مملکت ایک نئی قوت کے ساتھ ترقی کی طرف گامزن ہو سکے۔[۱۶] کیونکہ تعلیم کا مقصد انسان کی خداداد صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ہے تاکہ وہ نہ صرف اپنے لیے کسی ذریعہ معاش کا انتخاب کر سکے بلکہ اپنی روحانی اور جسمانی خصوصیات کو تربیت دے کر ایک بہتر انسان بن سکے جو معاشرے کے لیے کارآمد ثابت ہو سکے۔[۱۷]

محترمہ چونکہ محمد علی جناح کے خیالات سے متاثر تھیں چنانچہ انہوں نے قائداعظم کا حوالہ دے کر کہا کہ قائداعظم کو تعلیمی اداروں سے ہمیشہ دلچسپی رہی تھی اور زندگی بھر وہ ان کی توسیع و ترقی کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرتے

رہے۔ ہمیشہ کہتے تھے کہ قوم کی بہتری اور ترقی کا انحصار صرف نوجوان طبقے پر تھا کیوں کہ مستقبل میں یہی قوم کے ناخدا ہوں گے اور ان ہی میں سے لیڈر پیدا ہوں گے۔ اس لیے ضروری تھا کہ بچوں کی بنیادی تعلیم وتربیت میں بھرپور دلچسپی لی جائے اور ذہنی طور پر انہیں ایک مضبوط کردار کا انسان بنایا جائے۔[۱۸] قائداعظم نے پہلی تعلیمی کانفرنس، نومبر ۱۹۴۷ء میں خصوصی پیغام بھیجا جس میں انہوں نے کہا:

> صحیح قسم کی تعلیم کی اہمیت سب کو معلوم ہے۔ غیر ملکی حکمرانوں نے ایک صدی تک یہاں کے لوگوں کی تعلیم پر توجہ نہیں دی۔ اگر ہم ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں خلوص کے ساتھ اپنی تعلیمی پالیسی اور پروگرام کو اپنے لوگوں کی عقل و ذہانت اور سمجھ کے مطابق رکھنا ہوگا جو کہ ہماری تاریخ و ثقافت سے مطابقت رکھتا ہو اور جدید دور کے تقاضوں کو بھی پورا کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری مملکت کا مستقبل ہمارے نظام تعلیم کا مرہون منت ہے کہ ہم اپنی نئی نسل کو کس طرح کی تعلیم دیتے ہیں۔ صرف نصابی تعلیم ہی ہمارے مقصد کو پورا نہیں کرتی بلکہ ہمیں نئی نسل کی کردار سازی بھی کرنا ہوگی اور ان میں مستعدی کی صفت پیدا کرنا ہوگی۔ چنانچہ اپنے ملک کی معاشی زندگی کو سنوارنے کے لیے سائنسی اور تکنیکی تعلیم کی فوری اور اشد ضرورت ہے۔[۱۹]

قائداعظم کے خیالات کو آگے بڑھاتے ہوئے محترمہ نے کہا:

> ابھی تک ہم ایک فرسودہ اور از کار رفتہ نظام تعلیم کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ۱۴، اگست ۱۹۴۷ء کو سیاسی سربلندی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ لیکن ابھی تک ہم ایک ایسے نظام تعلیم کی روشنی کے منتظر ہیں جو ہماری امیدوں اور تمناؤں اور ہمارے تخیلات اور مقاصد سے قریبی رابطہ رکھتا ہو۔ جس تیز رفتاری سے دنیا ترقی کی طرف بڑھ رہی ہے اس کے باعث ہم میں اور ہمارے اسلامی تصورات میں دن بدن وسیع خلیج حائل ہوتی جا رہی ہے۔ جس قدر جلد ہم اس انقلاب کو محسوس کر لیں جو مذکورہ تاریخ سے رونما ہوا اسی قدر یہ ہمارے لیے نیز عالم اسلام کے لیے مفید ہوگا جس کی ہم خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے دور غلامی کے خاتمے کے ساتھ اس غلامانہ نظام تعلیم کو بھی جو ہماری ضروریات اور رجحانات سے میل نہیں کھاتا، فی الفور اور پورے طور پر دفن کر دینا چاہیے۔ ہم اس موقع سے محروم کر دیئے گئے تھے کہ ایسی تعلیم حاصل کریں کہ جس سے ہم اپنی زندگی کو اسلامی طرز پر ڈھال سکیں۔ لیکن اب اس شاندار موقع سے اپنے ایک بھی بچے کو محروم نہیں رہنے دیں گے۔ نظام تعلیم کو باقاعدہ اور معیاری بنانے کے ساتھ ساتھ تعلیم کو ہمارے عوام کی اکثریت کے لیے قابل حصول بنا دینا چاہیے۔

ایسی تعلیم جو اخلاقی اقدار اور خوبیوں سے مبرا ہو وہ مشرق کے لیے اجنبی ہے اور اسلامی تخیل سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔ کرہ ارض پر انسان خدا کی محبوب ترین مخلوق ہے۔ اپنے اخلاقی اقدار و اوصاف کے سبب ہی اس کی حیثیت بقیہ مخلوق سے الگ ہے۔ رشوت، اقربا پروری، چور بازاری، استحصال وغیرہ یہ تمام ایسی پست درجے کی برائیاں ہیں جو ایک غیر نظام تعلیم کا لازمی حصہ ہیں جو اخلاقی اقدار سے قطع نظر کر کے محض مادی ترقی پر زور دیتا رہا ہے۔ اسلام ایک مذہب ہی نہیں ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ پس غلط اور ناکام طریقہ تعلیم کے خلاف آواز اٹھانے اور اپنے طریقۂ تعلیم کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے جس کی بنیاد ہماری تاریخ اور روایات پر ہو اور جو ہمارے اپنے اصول ورواج کے مطابق ہو۔[20]

کتب خانوں یا لائبریریوں کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ کسی ملک کے عوام کی بیداری اور ترقی میں کتب خانے ایک نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں اور انہیں موجودہ زمانہ میں اولین اہمیت حاصل ہے۔ کسی ملک کے عوام کی خواندگی کی کوئی مہم اس وقت تک دیرپا نتائج حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ لائبریری سائنس کو اس ملک کی قومی زندگی میں اس کا مناسب مقام نہ دیا جائے۔ موجودہ زمانہ میں تعلیم نام ہے ایسی ذہانت کا جو ترقی پذیر تخیلات کے پیدا کردہ اثباتی اور سلبی رجحانات کو بخوبی سمجھ سکے۔ یہ اس وقت ممکن نہ ہوگا تاوقتیکہ کتب خانوں کو اہمیت نہ دی جائے گی۔[21]

انہوں نے کہا کہ:

تعلیم صرف کتابی علم حاصل کرنے کا نام نہیں نہ تفاخر حاصل کرنے یا شیخی مارنے کا نام ہے۔ اصل تعلیم ایک مسلسل عمل ہے جس کے ذریعے نوجوانوں کی مخفی صلاحیتیں، جسمانی، دماغی اخلاقی اور روحانی نشوونما پاتی ہیں اور ایک متوازن شخصیت کو بنانے میں مدد دیتی ہیں۔ تعلیم کا مقصد تمام لوگوں کو برابر کی آزادی اور برابر کے مواقع فراہم کرنا ہے اور شہریوں کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ تمام قوتوں کو سمجھ سکیں اور ملک کے مفاد میں استعمال کر سکیں۔ پاکستان میں بد دیانتی، نااہلی، غربت اور جہالت پھیلی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ تعلیمی نظام کی خرابی ہے۔ اس لیے پرانے نظام کو بدلنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ ایک آزاد ملک کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ کیونکہ تعلیم ہی ترقی کا دروازہ ہے۔ یہ نہ صرف انسان کی بنیادی ضرورت ہے بلکہ سب سے مضبوط ستون ہے جس پر ملکی ترقی کا انحصار ہے۔[22]

تعلیمی اداروں میں تاریخ کو نصاب کا حصہ بنانے پر زور دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

اسلامی تاریخ کو نصاب کا حصہ بنانے سے طلباء تاریخ کے واقعات و کرداروں سے متاثر ہوتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ تاریخ کے مطالعے کے ذریعے اپنی بصیرت کو وسیع تر کریں اور اپنے کردار کو مضبوط بنائیں اور جو

بات کریں پھر اس پر ڈٹ جائیں۔ مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں پیچھے ہیں۔ سماجی، تعلیمی اور معاشی ہر شعبے میں از سر نو کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ماضی کی بابت چیخ و پکار کے بجائے حال سے نمٹنے کے لیے نئے حالات کے باعث جو مواقع ملے ہیں ان سے استفادہ کرنا چاہیے۔[۲۳]

اسی طرح تاریخ نویسی کے بارے میں انہوں نے کہا:

پاکستان میں طلباء کو اسلامی تاریخ پڑھانا بہت ضروری ہے۔ تاریخ کسی قوم کے رجحانات، خواہشات اور واقعات کا اظہار ہوتی ہے۔ اسلامی تاریخ جو کہ شروع ہی سے تحریری شکل میں موجود تھی اس مواد کو چھاپنے اور تاریخ کو مکمل طور پر لکھنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک مؤرخ کو حقائق کو توڑنا موڑنا نہیں چاہیے جب کہ غیر ملکی تسلط کے دوران ہند و پاک کی تاریخ متعصبانہ انداز میں لکھی گئی اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو بغاوت یا غداری کا نام دیا گیا۔ چنانچہ تاریخ نویسی کے وقت بنیادی مواخذ بہترین ثابت ہو سکتے ہیں تا کہ ایک کھلے اور غیر متعصب ذہن سے تاریخ لکھی جا سکے۔[۲۴]

وہ سمجھتی تھیں کہ اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ہی ایک صحیح معاشرہ جنم لے سکتا تھا۔ مگر پاکستان میں اس نہایت ہی اہم پہلو کو نظر انداز کیا جا رہا تھا اور یہ دکھ کی بات تھی کہ سکولوں میں اس وقت تک قرآن ایسی علم و حکمت کی روشن کتاب کو شریک درس کرنے کی اہمیت محسوس نہیں کی گئی۔ اگر پاکستان کو ایک صحیح اسلامی مملکت بنانا مقصود تھا تو اس کے لیے سچی اسلامی تعلیمات کا اجراء اور احیاء ضروری تھا تا کہ بچے اس علم و حکمت کی مقدس کتاب کے معنی اور مطالب سے آگاہی حاصل کر سکیں اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکیں۔[۲۵] محترمہ سمجھتی تھیں کہ جہالت تمام برائیوں کی جڑ تھی اور زندگی کا شعور یعنی علم تمام اچھائیوں اور فضیلتوں کی بنیاد۔ چنانچہ وقت کی اہم ترین ضرورت تھی کہ ملکی خواندگی کے تناسب کو تیزی سے بلند کیا جائے جس کا واحد طریقہ یہ تھا کہ سارے پاکستان میں لازمی ابتدائی تعلیم کا بندوبست کیا جائے اور دوسری طرف تعلیم بالغاں کی وسیع مہم چلائی جائے تا کہ ملک میں تعلیمی قحط کی صورت حال تبدیل ہو سکے اور مملکت ایک نئی قوت کے ساتھ ترقی کی طرف گامزن ہو سکے۔[۲۶]

ان کے خیال میں تعلیم ایک مضبوط ستون اور بنیاد تھی جس پر قوم کی تعمیر کی جا سکتی تھی۔ یہ ان ساری ترقیوں کی کلید تھی جو کسی قوم اور ملک کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں مگر بد قسمتی سے مشرق نے شعبۂ تعلیم میں اپنی روایتی عظمت کھو دی اور ایسی قوم جو جہالت میں غرق ہو کسی آزاد ملک کے لیے سرمایہ نہیں بن سکتی۔ انہوں نے کہا:

دورِ جدید میں حکومت ایک نہایت پیچیدہ ادارہ ہے جس کے لیے اعلیٰ ترین قابلیت کی ضرورت ہے تا کہ اس کی اچھی کارکردگی کی ضمانت ہو۔ چونکہ ایک آزاد ملک کی حکومت اس کے عوام ہی کے ہاتھوں میں قائم ہوتی اور چلائی

جانی چاہیے اس لیے صرف تعلیم ہی عوام کو اس قابل بنا سکتی ہے کہ وہ حکومت پر نگرانی رکھنے کے اس اہم کام کو بخوبی سرانجام دے سکیں۔ انہوں نے کہا: ہمارے آزاد ملک میں تعلیم میں ایک کامل انقلاب کی اشد ضرورت ہے تا کہ وہ ہمارے قومی وجدان کے مطابق اپنے ملک کی قسمت کے بنانے میں اہم حصہ لے سکے۔[۲۷]

محترمہ نے کہا:

تعلیم کے معنی محض حصول اسناد کے نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے پہلو بہ پہلو آپ کی صلاحیت اور آپ کی عام معلومات بھی وسیع اور تازہ ترین ہونے چاہییں۔ یہ بے سود ہوگا کہ ہمارے جامعات وسیع پیمانے پر ہزاروں کی تعداد میں ایسے ایم۔اے اور بی۔اے پیدا کرتے چلے جائیں جن میں دوسری صفات موجود نہ ہوں جو زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ اچھی تعلیم کی بنیاد تعمیر کردار پر رکھی جانی چاہیے۔ جو ایک قوم کی زندگی میں سب سے اہم عنصر ہے۔ تعمیر کردار پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے کیونکہ مملکت کی ترقی اور خوشحالی کا انحصار سب سے پہلے اسی پر ہے۔[۲۸]

انہوں نے ایک حدیث نبوی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا:

علم حاصل کرو۔ اپنے جاننے والے کو یہ اس قابل بناتا ہے کہ وہ صحیح اور غلط میں امتیاز کر سکیں۔ یہ عقبیٰ کا راستہ ہموار کرتا ہے۔ یہ صحرا میں ہمارا رفیق ہے۔ تنہائی میں ہماری صحبت، اور جب ہم بغیر دوست کے ہوں تب یہ ہمارا ساتھی ہے۔ یہ مسرت کی طرف ہماری رہبری کرتا ہے۔ مصیبت میں ہمارا سہارا بن جاتا ہے۔ دوستوں کے درمیان یہ ہمارا ایک جوہر ہے تو حریفوں کے مقابل ایک ہتھیار۔[۲۹]

محترمہ نے نہ صرف پاکستان میں بلکہ آزاد کشمیر میں بھی تعلیم کے شعبے میں دلچسپی لی۔ ثریا خورشید لکھتی ہیں کہ جب کے۔ایچ۔خورشید حکومت آزاد کشمیر (۶۱۔۱۹۶۰ء) کے صدر بنے تو انہوں نے مادر ملت فاطمہ جناح کی خواہش اور ہدایت کے مطابق کشمیر کی تعلیم کے سلسلے میں ایک منصوبہ بنا کر محترمہ کی خدمت میں پیش کیا۔ جسے انہوں نے پسند کیا اور اس کے لیے گیارہ لاکھ روپے عطا کیے۔ چنانچہ دھیر کوٹ، چمپاتی اور کھڑک میں جو سکول قائم ہوئے اسی منصوبے سے قائم ہوئے اور محترمہ کے نام سے منسوب ہیں۔[۳۰]

خواتین کی تعلیم

محترمہ فاطمہ جناح کے خیال میں تعلیمی افادیت کی روشنی میں آزادی اور ملکی سماج کی فلاح و بہبود کے لیے عورت کی تعلیم کو اہمیت دینا بہت ضروری تھا۔ کیونکہ قوم کی تعمیر میں عورت کا حصہ اہم ہوتا ہے اور بچے کی ابتدائی تعلیم اور اہم ترین تربیت اس کے ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کی تعلیم سے گھر کے ماحول میں زبردست تبدیلی پیدا

ہو جاتی ہے۔محترمہ کے خیال میں گھر کی تربیت اور گھر کا ماحول اور والدین کی توجہ ہی بچوں کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک زمانہ تھا کہ برصغیر ہندو پاک میں عورتوں کا کیا ذکر خود مسلمان مردوں کو بھی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع نہ ملتے تھے۔لیکن جب آزادی کی لہر آئی اور حصول پاکستان کا نصب العین پیش ہوا تو مسلمان عورتیں بھی اپنے طویل خواب غفلت سے بیدار ہوئیں اور ہر قسم کی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے آزادی کی جدو جہد میں ایسی روح پھونکی کہ پاکستان حاصل کر کے دم لیا۔[۳۱] انہوں نے کہا کہ: خواتین ابھی بہت کچھ توجہ کی محتاج تھیں۔ ان میں پڑھنے وسیکھنے کا شوق اور جذبہ تو تھا مگر کوئی علیحدہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ترقی نہیں کر سکیں تھیں۔ جب تک تمام پاکستانی خواتین انفرادی طور پر اپنی اپنی جگہ اور اپنے ماحول کو آزاد معاشرت کے سانچے میں نہ ڈھالیں بحیثیت مجموعی تمام پاکستان ایک قومیت حاصل نہیں کر سکتا۔[۳۲]

ماؤں کے تعلیم یافتہ ہونے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

> اگر والدین درست ہوں تو بچے خراب نہیں ہوتے۔ اگر ان کی بنیادی تربیت ٹھیک ہو تو وہ کبھی غلط راہوں پر نہیں چلیں گے۔تعلیم اور صحیح تعلیم ہی ہمیں انسان بناتی ہے اور زندگی کی مثبت راہ پر گامزن کرتی ہے۔تعلیم سے ہمارے دل ودماغ روشن ہوتے ہیں۔ ہماری نظر میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور ہمارے اندر سوچنے سمجھنے کی اہلیت پیدا ہوتی ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی گھر کی تربیت اور صحت مند ماحول بھی اتنا ہی اہم ہے جتنی تعلیم۔ یہ تربیت اور خوشگوار ماحول صرف ایک اچھی ماں ہی ہمیں دے سکتی ہے۔ موجودہ دور میں ویسے بھی زندگی اس طرح الجھ گئی ہے کہ ایک تعلیم یافتہ لڑکی، بیوی کی حیثیت سے زیادہ کامیاب زندگی گذار سکتی ہے۔گھر اور گھر کا خوشگوار ماحول صرف عورت پر منحصر ہے اور ایک پڑھی لکھی لڑکی کو اس کا زیادہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر کو زیادہ سے زیادہ بہتر اور خوشگوار بنائے۔[۳۳]

انہوں نے خواتین سے درخواست کی کہ جن خواتین کو خوش قسمتی سے تعلیم حاصل کرنے کے مواقع حاصل ہوئے ہیں وہ اپنی کم نصیب غیر تعلیم یافتہ بہنوں کے اصلاح حال کے لیے بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ بحیثیت مجموعی تعلیم کے میدان میں خواتین کو بہت پیچھے رکھا گیا ہے۔اب یہ ان کا کام ہے کہ اس کی ترقی کا راستہ ہموار کریں۔انہوں نے کہا تعلیم بالغاں کے مقصد کے پیش نظر خواتین اپنی موسمی تعطیلات کے زمانے میں خواتین مسلم لیگ سب کمیٹی کے تعاون سے اس سلسلے میں ایک تعلیمی مہم چلا کر قابل قدر کام انجام دے سکتی ہیں۔ وہ متفقہ غور وخوص کے بعد ایک باقاعدہ مہم اور طریقہ کار مرتب کر کے اور اپنی تعلیم کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر اپنی ممکنہ توجہ اس کام پر مرکوز کر سکتی ہیں۔

گجرات کے پہلے زنانہ کالج کا افتتاح کرتے وقت انہوں نے کہا:

خدا کا شکر ہے کہ عورتوں کی تعلیم اور ترقی کا خاص خیال رکھا جا رہا ہے۔ تعلیم سے دل و دماغ میں جلا اور قوت فیصلہ پیدا ہوتی ہے۔ شعور بیدار ہوتا ہے، دور بینی و پیش بندی جیسی خوبیاں اجاگر ہوتی ہیں۔ کردار کی تشکیل ہوتی ہے اور ہم دنیا کے متمدن و سربرآوردہ اقوام کے سامنے سربلند ہو سکتے ہیں۔ عورت کا علم خود اس کے ذات کے علاوہ اس کے ماحول، نسل، اور قوم کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس کی تعلیم کا فائدہ دیرپا اور مستقل ہوتا ہے۔ کسی قوم کے اعلیٰ معیار ہونے کی نشانی یہی ہے کہ اس کی خواتین کا بڑا حصہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو۔ اسلام نے عورت کو بلند درجہ دیا ہے اور اسلامی قوانین میں عورت کی عزت افزائی اور احترام کو خاص جگہ حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ تاریخ اسلام کے درخشاں عہد میں عورتوں کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دلائی جاتی تھی۔ ہر دور حکومت میں عورت کی عقل وخرد اور علم و فیصلہ سے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل حل ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اسلام اور اس کے اسباق کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے حضور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ تحصیل علم پر زور دیا۔ اس لیے کہ اس کے ذریعے ہمیں سچے اور سیدھے راستے کی طرف رہبری ملتی ہے۔ [۳۵] انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض کیا ہے۔ علم سے بہتر کوئی اور زیور نہیں اور علم حاصل کیے بغیر ہمارا کوئی مقام نہیں۔ ہماری قوم کو اچھی ماؤں، اچھی بہنوں، اور اچھی بیٹیوں کی ضرورت ہے تا کہ وہ سب مل کر پاکستان کی شاندار تعمیر میں اپنا صحیح حصہ ادا کر سکیں اور یہ جب ہی ممکن ہے جب آپ تعلیم کے ہتھیار سے آراستہ ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں میں عام طور پر یہ دستور چلا آیا ہے کہ زیادہ تر لڑکوں کی تعلیم کی طرف ہی توجہ دی جاتی ہے اور لڑکیوں کی تعلیم کو اتنا اہم خیال نہیں کیا جاتا۔ یہ بہت غلط اور نقصان دہ ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ زندگی میں مرد اور عورت کے مشاغل اور فرائض مختلف ہیں اس لیے اگر مرد اور عورتیں اپنے دائرہ عمل میں کام کریں اور زندگی کے اجتماعی مقاصد اور اقتصادی مسائل میں ایک دوسرے کی امداد و تعاون کریں تو اس سے بہترین نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ [۳۶]

انہوں نے عورتوں کے لیے ٹیکنیکل ادارے کھولنے کی ضرورت پر زور دیا تا کہ بیوائیں اور دیگر خواتین جن کا کمانے والا کوئی ذریعہ نہ تھا وہ روٹی کما سکیں۔ اس کے علاوہ جو لڑکیاں ذرائع نہ ہونے کے باعث زیادہ تعلیم حاصل نہیں کر سکتیں تھیں وہ بھی ایسے اداروں سے استفادہ کر سکیں چونکہ ایسے اداروں میں مالی فائدے کے علاوہ خواتین میں خود اعتمادی، نظم وضبط، پابندیٔ وقت، جمالیاتی ذوق اور سب سے بڑھ کر ان کے دل میں محنت سے محبت اور محنت کی

عظمت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔[۳۷]

فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی سالانہ جلسہ تقسیم انعامات میں انہوں نے کہا کہ انہیں یہ معلوم کر کے دلی اطمینان ہوا کہ اس کالج کے افتتاح نے کئی لڑکیوں کو پیشۂ طب اختیار کرنے پر اکسایا اور ان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ کیونکہ لیڈی ڈاکٹروں، نرسوں، حاملہ عورتوں اور ہیلتھ وزیٹروں کی کمی خاص طور پر دیہی رقبوں میں بہت کمی تھی۔ اس تعداد میں اضافہ اور تعلیم وتربیت کے معیار کو اونچا کرنے کی ضرورت تھی۔ انہوں نے خواتین سے اپیل کی کہ وہ نرسنگ کے شعبے میں بہت بڑی تعداد میں شریک ہوں۔ قومی زندگی میں صحت جسمانی کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ کہ دراصل یہ ایسی بنیاد تھی جس پر ذہنی واخلاقی صحت کی تعمیر کی جاسکتی ہے۔[۳۸] کیونکہ جذبہ خدمت عورت کی فطرت کا ایک جزو تھا۔ اس سے نہ صرف وہ انسانیت کی خدمت کرنے کے قابل ہوسکتی ہیں بلکہ خود اپنی خدمت بھی کرسکتی تھیں۔[۳۹]

اسی طرح انہوں نے کراچی میں مسلم لیڈیز ٹیکنیکل اینڈ انڈسٹریل انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ ٹیکنیکل تعلیم ہی معاشی ترقی کی ضامن تھی اور ایسے اداروں کا مقصد یہ ہے کہ نوعمر خواتین کو جو اعلیٰ تعلیم نہیں چاہتیں، کٹائی، سلائی، طلائی کام اور بننے کے کام کی جدید ترین طرز پر تعلیم دی جاسکے تاکہ وہ کسی ہنر میں ماہر ہوجائیں جو ان کی عملی زندگی میں مفید اور کارآمد ہو خواہ وہ ان کا اپنا گھریلو کام ہو یا وقت ضرورت کمانے کی غرض سے انہیں انجام دینا پڑے۔[۴۰]

ینگ ویمنز ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام شمع لیڈیز انڈسٹریل ہوم کراچی کا افتتاح کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

> یہ مدرسہ نہ صرف اپنی ترقی کے لیے خواتین کی عملی جدوجہد کا ایک نشان ہے بلکہ پاکستانی خواتین کی عام بیداری کی بھی ایک روشن علامت ہے۔ ہمیں تعلیمی مدرسوں کے ساتھ صنعتی اداروں کی ضرورت بھی مسلم ہے۔ خاص طور پر جن حالات میں سے ہم گذر رہے ہیں اس کا تقاضہ ہے کہ ایسے ادارے جتنی زیادہ تعداد میں ہوں پاکستان کے گوشہ گوشہ میں قائم ہوجائیں۔ جہاں خواتین کو نہ صرف گھریلو صنعتوں کی تعلیمی سہولتیں حاصل ہوں بلکہ جس کے ذریعے سے وہ باعزت طور پر اپنا روزگار بھی پیدا کرسکیں۔ ایسے اداروں کے مادی فوائد کے ساتھ ساتھ اخلاقی فوائد بھی ہیں۔[۴۱]

انہوں نے کہا کہ ہماری معاشرت کے اکثر پہلو فرسودہ اور قابل اصلاح ہیں۔ ان کی حقیقی علت اور سبب یہی ہے کہ قوم کے ایک جزو یعنی طبقہ نسواں کی تعلیم وتربیت کی اہمیت کو یکسر نظر انداز کردیا گیا جو کہ دور غلامی کی ذہنیت کا نتیجہ تھا۔ حالانکہ یہ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہ تھا۔ ان کے خیال میں لڑکیوں کی نصاب تعلیم ان کی زندگی اور فرائض کے مطابق بنایا جانا چاہیے۔[۴۲]

مسلم لیڈیز ٹیکنیکل انڈسٹریل انسٹی ٹیوٹ کراچی کے سالانہ جلسہ تقسیم انعامات میں انہوں نے کہا کہ ایسے اداروں کے توسط سے نوجوان خواتین مختلف صنعتوں اور دستکاریوں میں تربیت حاصل کر کے اپنی گھریلو ضروریات کی

تکمیل کر سکیں گی اور بوقت ضرورت اپنا روزگار فراہم کرنے کے بھی قابل ہو سکیں گی۔ انہوں نے کہا کہ جسمانی اور اخلاقی بیماریوں کی پرورش زیادہ تر غربت اور افلاس ہی میں ہوتی ہے۔ چونکہ جسمانی مضبوطی اور اعلیٰ کردار انفرادی اور اجتماعی ترقی کی شرط اول ہے اس لیے اپنی قوم کی جسمانی مضبوطی اور اس کے کردار کے استحکام کے لیے ہمارا سب سے پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ ایسے حالات پیدا کریں کہ جن سے عوام کے اکتساب دولت کے مواقع میں اضافہ ہو اور عام آدمی کا معیار زندگی بلند ہو سکے۔ چنانچہ ایسے ٹیکنیکل اداروں میں خواتین کی عملی تربیت کے علاوہ ذہنی وجسمانی نشو و نما کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔ اس کے لیے اخبارات اور عام معلومات عامہ کی کتابیں پڑھنا لازمی تھیں تاکہ پاکستان بلکہ ساری دنیا کی روزمرہ تبدیلیوں اور ترقیوں سے خواتین پوری طرح باخبر رہ سکیں۔[۴۳]

کھیل

انہوں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیلوں کی اہمیت پر بھی زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ کھیلوں میں ہار جیت اہم نہیں بلکہ وہ جدوجہد اہم ہے جو حصول کامیابی کے لیے کی جائے۔ ہر کھیل کو اس کی اعلیٰ ترین روایات کے مطابق کھیلنا چاہیے۔ کیونکہ پختہ ارادہ اور کردار کی عمدہ تربیت کی بدولت ہی ایک اچھا کھلاڑی پیدا ہو سکتا تھا۔ کھیلوں سے انسان میں بہت سی خوبیاں اجاگر ہو سکتی تھیں۔ مثلاً نظم وضبط، بہادری، قوت فیصلہ اور ٹیم اسپرٹ جو کہ زندگی میں کامیابی کے لیے نہایت ضروری تھیں۔[۴۴]

انہوں نے ماما گرلز ہائی سکول کراچی کے سالانہ کھیلوں کی صدارتی تقریر میں کہا:

> میں نے اسے بڑی قدر وعزت سے دیکھا ہے کہ ہماری نوجوان لڑکیاں کھیلوں میں گہری دلچسپی لے رہی ہیں۔ جو قوم کی ترقی اور کامل نشوونما کے لیے ایک لازمی جزو ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ وہ اصحاب جو اس سکول کے نظم ونسق کے ذمہ دار ہیں انہوں نے ہماری لڑکیوں کے تعلیمی پروگرام میں تربیت جسمانی کو کافی اہمیت دی ہے اور انہیں وہ تمام مواقع دے رکھے ہیں جس کی وہ حق دار ہیں۔ جسمانی نشوونما اسی قدر ضروری ہے جتنا کہ ذہنی نشوونما۔ ان دو کا تعلق نہایت قریبی ہے۔ اس لیے ان دونوں کو ساتھ ساتھ ہونا چاہیے۔ ایسے اجتماعات سے جسمانی موزونیت میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کا ایک صحت بخش جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس سے ملک میں کھیلوں کا معیار بلند ہوتا ہے۔ جسمانی مضبوطی ایک مستقل ضرورت ہے۔ ہمیں زمانہ امن بھی اس کی اتنی ہی ضرورت ہوتی ہے جتنی زمانہ جنگ میں۔ مجھے امید ہے کہ آپ تعلیمی پروگرام کے اس پہلو کو قابل لحاظ اہمیت دیتی رہیں گی اور آپ کی طالبات نہ صرف پاکستان اور اولمپک کھیلوں میں امتیازات حاصل کریں گی بلکہ بین الاقوامی

میدان میں بھی حصہ لینے کی اہل بنیں گی اور حریفوں پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں گی۔[۴۵]
مضبوط جسم اور اچھی صحت کی نشو ونما کے لیے کھیل ضروری ہیں۔ان کی بدولت اور بہت سی اچھی صفات کے اجاگر کرنے میں مدد ملتی ہے مثلاً ضبط و نظم، قوت فیصلہ، شجاعت اور کردار کی تعمیر اور اپنی کامیابی اور ناکامی کو ایک اچھے کھلاڑی کی طرح حوصلہ مندانہ طور پر قبول کرنے کا درس ملتا ہے۔

گرل گائیڈ

انہوں نے گرل گائیڈز ایسوسی ایشن کے بارے میں کہا:

یہ ایسوسی ایشن ۲۹ دسمبر، ۱۹۴۷ء کو قائم کی گئی تھی۔ یہ ایک ایسا ادارہ ہے جس میں علم و عمل کو ایک ہی سانچے میں ڈھالا جاتا ہے۔اس کی یکسانیت اور وحدت خیال اپنے اندر عجیب دلکشی رکھتی ہے۔ گائیڈ تحریک ایک وسیع و مضبوط عمارت ہے جس کی بنیاد استقلال، ہمت اور محنت پر رکھی گئی ہے اور اس نے قومی خدمت میں نمایاں حصہ لیا ہے۔انہوں نے کہا کہ اس تحریک نے آغاز ہی سے دنیا کے تمام ممالک کے نظام تعلیم میں ایک بنیادی حیثیت حاصل کر لی اور اس کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہوئی۔اس کا سبب یہ ہے کہ یہ تحریک کردار کی تشکیل میں مدد دیتی ہے۔اور اسکولوں اور کالجوں کے طلباء میں بہت چھوٹی سی عمر سے فرض شناسی، خدمت، اطاعت اور نظم وضبط کا احساس پیدا کر دیتی ہے۔گائیڈز تین باتوں کا عہد کرتی ہیں۔خدا اور ملک کی طرف سے عاید شدہ فرائض کی تکمیل کی پابندی کرنا، لوگوں کی امداد کرنا، گائیڈ کے قوانین کی پابندی کرنا۔ یہ عہد قریب قریب ہر چیز پر محیط ہے اور اگر طالبات اس عہد پر پوری دیانتداری اور وفاداری کے ساتھ عمل پیرا ہو جائیں تو اپنے ملک اور اپنی قوم کی غیر معمولی تقویت کا ذریعہ بنیں گی۔[۴۶]

ان کے خیال میں ایسی تربیت گھر اور ملک دونوں کے لیے مفید تھی کیونکہ گائیڈز کے لیے ان چیزوں کا سیکھنا ضروری تھا جو روزمرہ زندگی میں مفید اور کارآمد ہوتے ہیں۔مثلاً پکوان، سلائی، تیمارداری، ورزش جسمانی، تربیت اطفال، معلومات شہری تاکہ وہ دوسروں کے لیے فائدہ مند ہو سکیں۔[۴۷]

نصاب اور ذریعہ تعلیم

نصاب تعلیم اور ذریعہ تعلیم کے بارے میں انہوں نے کہا کہ غذا اور لباس کی طرح تعلیم بھی زندگی کا ایک لازمہ تھا جس کے بغیر آدمی کا کوئی مقام نہیں تھا، نہ وہ کسی سوسائٹی کے لیے مفید بن سکتا تھا۔پھر جس طرح ہمارے اپنے حالات اور آب وہوا کے لحاظ سے ہماری غذا اور لباس کا تعین کیا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح ہماری اپنی آزاد قومی ضروریات کے مطابق

ہمارا نصاب اور طرز تعلیم بھی ضروری تھا تا کہ ہمارے بچوں کے لیے نہ صرف تعلیم بلکہ موزوں تعلیم کی ضمانت بھی ہو سکے۔ پھر ذریعہ تعلیم قومی زبان میں ہی ہونی چاہیے۔ فنی مشکلات یا اپنی زبان میں کتابوں کی کمی یا غیر موجودگی ضمنی مشکلات تھیں اور قوت ارادی کے ذریعہ رفتہ رفتہ ان پر قابو پایا جا سکتا تھا۔ کسی غیر ملکی زبان کو زیادہ عرصہ جاری رکھنا نہ صرف آزاد قومی رجحانات پر کاری ضرب لگانے کے مترادف تھا بلکہ آزاد قومی ترقی کی راہ میں تعطل کا باعث تھا۔ [۴۸]

انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام اردو کالج کی تقریب افتتاح پر انہوں نے کہا:

> اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان کی حیثیت سے اس کے حقیقی مقام پر پہنچانے کے لیے اردو کالج کا قیام ایک خوش کن بات ہے۔ کوئی قوم ذہنی نشو ونما کے تمام مدارج اس وقت تک ہرگز طے نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اپنے افکار و خیالات کے اظہار کے لیے کسی غیر زبان کی قید سے آزاد نہ ہو جائے۔ اردو کے سوا یہاں کوئی زبان ایسی نہیں جو اہل پاکستان کے احساس خودی، ان کی قومی خصوصیات اور ان کے مقاصد وعزائم کی پوری ترجمانی کر سکے۔ مزید برآں اردو میں اسلامی افکار و تعلیمات کا ذخیرہ بھی ان تمام دوسری زبانوں سے بدرجہا زیادہ ہے جو اس ملک میں بولی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے لیے اردو کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے فوراً نافذ کرنا بہت ضروری ہے۔ [۴۹]

انہوں نے محسوس کیا کہ آزاد قوم کی ضروریات کے مدنظر نصاب تعلیم میں فوری تبدیلیوں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے ساری درسی کتابوں پر فوری نظر ثانی کرنے کا مشورہ دیا۔ ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے قیام کے بعد پاکستانی بالکل مختلف حالات اور جدا ماحول میں زندگی بسر کر رہے تھے اور اپنی قوم کی تقدیر کو بدلنے کے پورے مواقع انہیں حاصل تھے۔ چنانچہ پوری آزادی کے ساتھ نظام تعلیم کو اپنی ضروریات کے مطابق ڈھالنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ [۵۰]

بچوں کی تعلیم

بچوں کی تعلیم کو وہ خصوصی اہمیت دیتی تھیں۔ ان کے خیال میں بچوں کے زمانہ ماقبل مدرسہ میں جدید اور سائنٹفک خطوط پر باقاعدہ تربیت کا انتظام ہونا چاہیے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں اس وقت متعدد طریقے رائج تھے اور وہ سب کم وبیش کامیابی سے جاری تھے۔ متعدد جدید ملکوں میں نرسری سکول قائم تھے تا کہ بچوں کو صحت بخش جسمانی عادات کے ڈالنے میں مدد مل سکے۔ ایسے سکول اچھی عادات کی حوصلہ افزائی کرتے اور بچوں کو کھلی ہوا میں کھیلنے اور باقاعدہ وقفوں سے سونے کی عادت ڈالتے تھے۔ بیشتر ممالک میں نرسری سکول حکومت کی جانب سے ایسے بچوں کی بہبود کے لیے چلائے جاتے تھے جن کے والدین کو دن میں کام کاج کرنے جانا پڑتا تھا۔ چنانچہ پاکستان میں بھی ایسے

نرسری سکول مذہبی اور خیراتی جماعتوں کی جانب سے اس شرط پر چلائے جانے چاہیے تھے کہ حکومت کی جانب سے ان کا معائنہ ہو اور یہ کہ ان میں قلیل مصارف عاید کیے جائیں تا کہ عام آدمی بھی اس سے استفادہ کر سکے۔ بعض ممالک مثلاً بلجئیم میں نرسری سکولوں میں کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی۔ انہوں نے کہا کہ بچوں کی تعلیم کے معاملے میں اس وجہ سے غفلت نہیں برتی جاسکتی کہ ان کے والدین ان کی ضروریات کی تکمیل کرنے سے قاصر ہیں۔[۵۱]

بچوں کی تعلیم کی اہمیت واضح کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

> عہد طفلی ہی میں بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا چاہیے۔ خراب ماحول، برے ساتھی، ناپسندیدہ والدین، ذہنی وجسمانی خرابی اور دیگر نفسیاتی اسباب، طفلانہ خطاکاری کا موجب بنتے ہیں۔ ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ اپنی قوم سے ان کمزوریوں کو دور کریں جن کے سبب ایک مضبوط، طاقتور اور ہنرمند قوم بننے کی نسبت ہمارے نصب العین کی تکمیل میں مہلک ثابت ہونے کا اندیشہ ہو۔[۵۲]

اسی طرح معذور بچوں کی تعلیم وتربیت کے بارے میں کہا کہ پاکستان میں اس وقت گونگے بہرے کی تعداد نصف لاکھ تھی۔ ایک آزاد اور ترقی یافتہ قوم کے لیے اتنی بڑی تعداد کا بیکار ہو جانا ایسی چیز نہیں جو نظر انداز کر دی جائے۔ بینائی کی طرح بولنے اور سننے کی قوت بھی خدا کی بڑی دین ہے۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی تربیت کی طرف امکانی توجہ کریں تا کہ وہ اچھے شہری اور سوسائٹی کے مفید رکن بن سکیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایسے اداروں کے اساتذہ کے لیے یک مرکزی تربیتی سکول کھولنے کی تجویز بھی دی۔[۵۳]

اختتامیہ

محترمہ فاطمہ جناح اپنے سیاسی وسماجی نظریات کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح کا عکس تھیں۔ ان کی بہن ہونے کے حوالے سے بھی اور اس حوالے سے بھی کہ وہ ہمیشہ ان کے ساتھ مل کر ہر سرگرمی میں حصہ لیتی رہیں اور محمد علی جناح کے خیالات سے براہ راست متاثر ہوتی رہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کی طرح فاطمہ جناح کو بھی احساس تھا کہ ہندوستانی مسلمان تعلیم کے میدان میں بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ چنانچہ قیام پاکستان سے پہلے اور قیام پاکستان کے بعد انہوں نے تعلیم کے شعبے میں بہتر منصوبہ بندی پر ہمیشہ زور دیا۔ اس کے علاوہ وہ سمجھتی تھیں کہ سکولوں میں قرآن جیسی علم و حکمت کی روشن کتاب کو شریک درس کرنے کی ضرورت تھی۔ کیونکہ اگر پاکستان کو ایک صحیح اسلامی مملکت بنانا ہے تو اس کے لیے سچی اسلامی تعلیمات کا اجراء اور احیاء بہت ضروری تھا تا کہ بچے اس علم وحکمت کی مقدس کتاب کے معانی اور مطالب سے آگاہی حاصل کر سکیں اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکیں۔ ان کے خیال میں جو چیز حقیقی اہمیت رکھتی تھی یہ تھی کہ پاکستان میں آزاد قومی ضروریات اور رجحانات کے مطابق مشرقی طرز تعلیم پر پالیسی مرتب کی جائے۔ کیونکہ قومی تعمیر و

ترقی کے پروگرام میں تعلیم کو ایک کلیدی حیثیت حاصل تھی اور مملکت کی ہر گونہ ترقی کا دارومدار تعلیم پر ہی تھا۔

وہ سمجھتی تھیں کہ تعلیم ایک معاشرتی اور تہذیبی مسئلہ ہے جس کو کسی قوم کے خصائص قومی، اس کے قوانین اور اس کے مذہب سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ان عناصر کے بغیر تعلیم کا اصل مقصد یعنی نئی نسلوں کی ذہنی تربیت کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ نہ اس کے بغیر اعلیٰ کردار و بصیرت پیدا ہوسکتی ہے اور نہ ہی اعلیٰ ذہن و فکر ظہور میں آ سکتا ہے۔ کیونکہ ہر قوم اور ملک کی تعلیمی منصوبہ بندی کے کچھ مخصوص مقاصد ہوتے ہیں اور تعلیم کا تعلق محض روزگار حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے ہوتا ہے۔ جس میں روزگار بھی شامل ہے۔ اس کا تعلق ایک اچھا شہری بننے سے بھی ہے اور ایک بامعنی اور باثروت کلچر سے بھی۔ کیونکہ تعلیم کا مقصد تکمیل شخصیت اور جسم و روح کی تربیت ہے۔ تعلیم کے ذریعے مذہب، ثقافت، معاشرت، سیاست، غرض زندگی کا داخلی و خارجی ہر شعبہ متاثر ہوتا ہے۔ تعلیم ہی انسان اور معاشرے کے اندر تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ اس ادارے کے اثرات انسانی معاشرے میں دوررس نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ اور تعلیم کا تعلق فرد اور معاشرے کو سنوارنے سے ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لیے ہر قوم اپنے مزاج اور بصیرت اور ضرورتوں کے مطابق مختلف راستوں کو اپنا راہبر بناتی ہے۔ ان کے خیال میں پاکستان میں بھی اس امر کی ضرورت ہے کہ یہاں کے نظام تعلیم کو اس کی قومی ضرورتوں کے مطابق ڈھالا جائے۔

حوالہ جات

۱۔ آغا حسین ہمدانی، **فاطمہ جناح حیات اور خدمات**، (اسلام آباد، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، ۱۹۸۹ء) ص ۳۴۔۳۸۔

۲۔ Pervaz Hoodbhoy (ed), (**Education of the State, Fifty Years of Pakistan,** Karachi, Oxford University Press, 1998), p. 25-26,31

۳۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، **تعلیمی خطبات اور دوسرے مضامین**، (لاہور، مجلس ارادت، مندان سید، ۱۹۶۶ء) ص ۸۸۔۸۹۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ Safdar Mahmood, **Constitutional Foundations of Pakistan,** (Lahore, United Publishers Ltd, 1975) p. 18. 24, 128.

۶۔ اقبال احمد قریشی (مترجم)، **قائداعظم تصاویر و بیانات**، (لاہور، بزم اقبال، ۱۹۹۸ء) ص ۵۷۔

۷۔ Pervaz Hood bhoy-(ed) op-site. p 33-34.

۸۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، حوالہ سابقہ، ص ۸۹۔

۹۔ **گل بانگ حیات، تقاریر کا مجموعہ**، (لاہور، فیروز سنز، ت ن،) ص ۸۰۔۸۹۔۳۲۲۔

۱۰۔ عزیز جاوید، پاکستان کی نامور خواتین، (پشاور، دیا پبلیکیشنز، ت ن) ص ۳۱۔

۱۱۔ Begum Shaista Ikramullah, **From pardah to Parliament,** (London, the Cresset Press, 1963) p. 92-95-99.

۱۲۔ **گل بانگ حیات**، حوالہ سابقہ، ص ۷۲۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۵۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۴۔

۱۵۔ عزیز جاوید، حوالہ سابقہ، ص ۵۴۔

۱۶۔ **گل بانگ حیات**، حوالہ سابقہ، ص ۲۰۸۔۳۲۲۔

۱۷۔ وکیل انجم (مرتب) **شمع جمہوریت**، (لاہور، جنگ پبلشرز، ۱۹۹۳ء) ص ۱۴۳۔۱۴۴۔

۱۸۔ ثریا خورشید، **محترمہ فاطمہ جناح کے شب وروز**، (لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۶ء) ص ۷۶۔

۱۹۔ M. Iqbal, **Education in Pakistan**, (Lahore, Aziz Publications, 1981) p. 59.

۲۰۔ **گل بانگ حیات**، حوالہ سابقہ، ص ۲۷۵۔۲۷۶۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۹۲۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۳۲۔

۲۳۔ **Speeches, Messeges, Statements**,(Lahore, Research Society of Pakistan,1976) p 62.

۲۴۔ عزیز جاوید، حوالہ سابقہ، ص ۵۷۔

۲۵۔ وکیل انجم، حوالہ سابقہ، ص ۵۸۔۱۴۳۔

۲۶۔ **گل بانگ حیات**، حوالہ سابقہ، ص ۱۹۶۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۸۸۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۹۶۔۱۹۷۔

۲۹۔ ثریا خورشید، فاطمہ جناح کے شب وروز، (آزاد انٹر پرائزرز گولڈن جوبلی آف پاکستان، ۱۹۹۸ء) ص ۱۶۔

۳۰۔ گل بانگ حیات، حوالہ سابقہ، ص۲۳۹۔

۳۱۔ ایضاً، ص۱۹۹۔

۳۲۔ ثریا خورشید، حوالہ سابقہ، ص۷۷۔۲۰۲۔

۳۳۔ گل بانگ حیات، حوالہ سابقہ، ص۵۔

۳۴۔ ایضاً، ص۲۷۹۔

۳۵۔ ایضاً، ص۹۲۔

۳۶۔ ایضاً، ص۹۸۔

۳۷۔ وکیل انجم، حوالہ سابقہ، ص۱۱۱۔۱۱۲۔

۳۸۔ گل بانگ حیات، حوالہ سابقہ، ص۳۳، ۵۔

۳۹۔ ایضاً، ص۱۰۱۔

۴۰۔ ایضاً، ص۱۷۵۔۱۷۶۔

۴۱۔ ایضاً، ص۳۳۴۔

۴۲۔ ایضاً، ص۵۹، ۹۰۔

۴۳۔ ایضاً، ص۱۱۳۔

۴۴۔ ایضاً، ص۶۱۔

۴۵۔ ایضاً، ص۲۵۰۔

۴۶۔ ایضاً، ص۲۱۱۔

۴۷۔ ایضاً، ص۱۵۹۔

۴۸۔ ایضاً، ص۲۹۵۔۲۹۸۔

۴۹۔ ایضاً، ص۸۳۔

۵۰۔ ایضاً، ص۲۸۲۔